کشور ناہید کی شاعری میں تانیثیت اور ماحولیاتی تانیثیت کے عناصر

Feminism and Ecofeminism in Kishwar Naheed's Poetry

ڈاکٹر الماس خانم
ڈاکٹر مصباح رضوی

Abstract

Feminism is the name of a movement that not only calls for women's rights but also reacts to the exploitation of women. Like other global movements in the world, Feminism originated in the West in the early eighteenth century. Very soon this movement gained global popularity and its various branches came into being. Writers and poets around the world also welcomed the movement. The voice of this movement in the colonial period began to be heard in the subcontinent as well. Feminist ideology has been promoted by poets and writers like Maulana Hali and Allama Rashid al-Khari. Women's morale was raised and they too came out on the field to protect their rights. Women tried to change exploitative attitudes through poetry and fiction, and played a vital role to promote feminist thinking. Kishwar Naheed is one such name in Urdu literature who used poetry and prose to develop feminist ideology. The main purpose of this article is to highlight the theoretical view of feminism and ecofeminism in Kishwar Naheed's writings.

Key words: Feminism, Ecofeminism, Kishwar Naheed

تانیثیت: مختصر جائزہ

عورت اور اس کے حقوق کے استحصال کا آغاز کن حالات میں اور کن جذبات واحساسات اور ضروریات کے تحت ہوا اس کا کوئی واضح جواب تاریخ کی کسی کتاب میں موجود نہیں۔ تاریخ اس سوال کا جواب دینے سے بھی قاصر ہے کہ اس استحصال کے خلاف پہلی آواز اٹھانے والا کوئی طاقت ور مرد تھا یا کوئی نحیف ونزار عورت؟ لیکن تاریخ اس سوال کا جواب ضرور دیتی ہے کہ عورت کے استحصال کے خلاف طاقت ور اور کمزور آوازوں نے مل جل کر انیسویں صدی میں فیمینزم یا تانیثیت کے نام سے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ تانیثیت یا فیمنزم ایک ایسی تحریک کا نام ہے جو عورتوں کے حقوق اور ان کے استحصال سے متعلق مباحث و معاملات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

فیمینزم کے نام سے عالمی سطح پر متعارف ہونے والی اس تحریک کے وجود میں آنے سے قبل اس کی بنیادیں مغربی یورپ میں رکھی جا چکی تھیں۔اٹھارویں صدی کے آغاز میں تانیثیت کے علمبرداروں ہولڈ برگ (Hold Burg)، کینڈورسٹ (Candogest) اور ہال بیک (Halbeck) نے خواتین کے بنیادی حقوق کے لیے آواز اٹھائی۔ بہت جلد تمام یورپ میں حقوقِ نسواں کی بازگشت سنائی دینے لگی اور خاص طور پر فرانس میں یہ ایک باقاعدہ تحریک کی صورت ابھری۔اس تحریک کے آغاز کا سہرا (۱۸۳۷) فرانس کے چارلس فوریئر (Charles Fourier) کے سر بندھا۔اس تحریک کے لیے فیمنزم (féminisme) اور فیمینسٹ (féministe) کے الفاظ کی اولین بازگشت فرانس اور نیدر لینڈ میں ۱۸۷۲ میں سنی گئی جبکہ ۱۸۵۲اور ۱۸۹۵ میں فیمینسٹ اور فیمینزم کے الفاظ بالترتیب آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کا حصہ بنے۔بعدازاں بہت جلد یہ تحریک عالمگیر حیثیت اختیار کر گئی اور اس کی مختلف شاخیں وجود میں آ گئیں۔اس کا دائرہ کار وسیع ہو گیا اور دنیا بھر کے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اس تحریک کے جھنڈے تلے جمع ہوتے چلے گئے۔بریٹینیکا میں اس تحریک کا تعارف ان الفاظ میں درج ہے:

> "Feminism, the belief in the social, economic and political equality of the sexes. Although largely originating in the West, feminism is manifested worldwide and is represented by various institutions committed to activity on behalf of women's rights and interests." (1)

اس تحریک کے علمبرداروں نے نہ صرف خواتین کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی بلکہ خواتین کے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے بھی سرگرم ہو گئے۔گھر سے لے کر سماج میں ان کے معتبر مقام کے حصول کے لیے کوششیں ثمر آور ہونے لگیں۔اس کے نتیجہ میں دنیا کے مہذب ترین ممالک میں پہلی دفعہ خواتین کے لیے درسگاہیں قائم ہوئیں، ان کو ووٹ کا حق دیا گیا اور انہیں جنسی امتیازات کے دائرے سے باہر نکالنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ان ابتدائی کاوشوں نے صدیوں سے رائج پدرسری نظام کی بنیادیں ہلانے میں اہم کردار ادا کیا۔تانیثیت کی بہت سی شاخیں وجود میں آنے لگیں۔زندگی کا ہر شعبہ نہ صرف اس سے متاثر ہوا بلکہ خواتین کے حقوق کے حصول کے لیے متحرک بھی ہو گیا۔دیگر شعبوں کی طرح دنیا بھر کے ادب پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔شاعر جنہوں نے عورت کو ہمیشہ تماش بین کی نگاہ سے دیکھا تھا اور اس کو حسن کی دیوی بنا کر اپنے لیے عیش وعشرت کے سامان فراہم کیے تھے۔اس کی سراپا نگاری پر ہزاروں اشعار کی مثنویاں لکھی تھیں اب عورت کو بحیثیت انسان دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔نوآبادیاتی عہد میں دیگر تحریکوں کی طرح فیمنزم کی تحریک نے بھی ہندوستان کی سرزمین پر اپنے قدم رکھے اور یہاں بھی حقوقِ نسواں کے لیے پُر جوش آوازیں گونجنے لگیں۔خاص طور سے اس تحریک نے پوری شدت سے شعرا اور ادیبوں کے قلم سے ادب میں بھرپور اظہار پایا۔اس ضمن میں مولانا الطاف حسین حالی کا نام خاص طور پا قابلِ ذکر ہے۔''چپ کی داد'' میں انہوں

نے نہ صرف ہندوستان میں صدیوں سے رائج پدرسری نظام کا پردہ چاک کیا ہے بلکہ فیمنزم کی ایک خاص فکر بھی اجاگر کی ہے۔وہ اپنی نظم کا آغاز ہی ان اشعار سے کرتے ہیں:

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے
مُلکوں کی بستی ہو تمہیں ،قوموں کی عزت تم سے ہے
تم گھر کی ہو شہزادیاں ، شہروں کی ہو آبادیاں
غمگیں دلوں کی شادیاں، دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے (۲)

ظلم وستم کی چکی میں صدیوں سی پستی خواتین کے حق میں یوں آواز بلند کرتے ہیں:

گو نیک مرد اکثر تمہارے نام کے عاشق رہے
پر نیک ہو یا بد، رہے سب متفق اس رائے پر
جب تک جیو تم علم و دانش سے رہو محروم یاں
آئی ہو جیسی بے خبر ویسی ہی جاؤ بے خبر
جو علم مردوں کے لیے سمجھا گیا آبِ حیات
ٹھہرا تمہارے حق میں وہ زہرِ ہلا ہل سر بسر
آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہے یومِ حساب
دنیا کو دینا ہو گا ان حق تلفیوں کا واں جواب(۳)

ہندوستان میں رائج پدرسری نظام میں جہاں خواتین کے لیے اپنے اصل نام اور اپنی اصل شناخت کے ساتھ شاعری کرنا یا ادب پارہ تخلیق کرنا بھی ممکن نہ تھا وہیں خواتین نہ صرف ادب میں اپنی الگ شناخت بنانے اور نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہونے لگیں بلکہ پدرسری نظام کے خلاف مزاحمتی رویے بھی ان کی تحریروں میں جگہ پانے لگے۔''تانیثیت کے بنیادی نکات میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ مرداساس معاشرے نے 'عورت' کی ذہنی تشکیل اوراس کی تشریح ویسی ہی کی ہے جیسا کہ وہ خود چاہتا تھا اور شاعرات نے اپنی حق تلفی کے خلاف مزاحمتی اوراحتجاجی رویہ اختیار کیا جو ہم عصر غزلیہ شاعری میں تانیثیت کے رجحان کے نام سے نظر آتا ہے''۔(۴)

جس طرح تانیثیت نے بہت جلد ایک عالمی تحریک کی صورت اختیار کر لی اور دنیا بھر کے مرد وزن اس میں شامل ہو گئے اسی طرح اس میں وسعت بھی آتی چلی گئی اور اس کی کئی شاخیں وجود میں آ گئیں۔ان میں حریت پسند تانیثیت (Liberal Feminism)، مارکسی تانیثیت (Marxist Feminism)،انتہا پسند تانیثیت (Radical Feminism)،تحلیل نفسی تانیثیت (Psychoanalytic Feminism)،سماجی تانیثیت (Social Feminism)، وجودی تانیثیت، (Existentialist Feminism) مابعد جدید تانیثیت (Post Modern

(Feminism)اور ماحولیاتی تانیثیت (Eco Feminism) خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

ماحولیاتی تانیثیت (Eco Feminism)

انسان اور ماحولیات کا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دنیا کا ہر انسان فطرت کی آغوش میں ہی اپنی آنکھ کھولتا ہے۔ مادرِ شکم میں ہی ماحول کے ساتھ اس کا گہرا رشتہ قائم ہو چکا ہوتا ہے۔ اس دنیا میں آنے سے قبل ہی بچہ ماحول کے اثرات قبول کر رہا ہوتا ہے اور ماحول کے ساتھ اس کا یہ رشتہ جس ہستی کے ذریعہ قائم ہوتا ہے اور جس ہستی کے ذریعہ وہ ماحول کے اثرات قبول کرنے کے قابل ہوتا ہے وہ اس کی ماں کے روپ میں ایک عورت ہی ہوتی ہے۔ یہی انسان جب عورت اور ماحول کے حیات آفریں تعلق کے نتیجے میں طاقت ور مرد بنتا ہے تو وہ ماحول اور عورت کو زیر کرنے کے لیے نہ صرف حکمتِ عملیاں تیار کرنے لگتا ہے بلکہ جبر اور تشدد کا راستہ اختیار کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ غالب گمان ہے کہ جب دنیا کے پہلے انسان نے جبر، تشدد اور استحصال کا یہ راستہ اختیار کیا ہوگا تو نہ تو اس کے سامنے ماحول میں مزاحمت کی طاقت ہوگی اور نہ ہی عورت میں۔ سبزے کو اپنے قدموں تلے روندنے سے لے کر چاند پر کمندیں ڈالنے تک انسان نے صدیوں کا جو سفر طے کیا وہ اس کی طاقت و برتری کا سفر ہے۔ طاقت اور برتری کے اسی جذبہ نے پدرسری نظام قائم کیا اور عورت کو انسان کی صف سے نکال کر بھیڑ بکریوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ عورت نے بھی خود کو ماحول کا حصہ بنا لینے ہی میں عافیت محسوس کی۔ وہ خود کو فضاؤں میں اڑتے پرندوں اور باڑے میں ممیاتی بھیڑوں اور بکریوں سے بھی کمزور خیال کرنے لگی۔ شاعروں نے بھی اسے کبھی پھول اور کلیوں سے تشبیہ دے کر انہیں رنگوں کے حسین لیکن کمزور ترین پیکر میں تراش کر پیش کیا تو کبھی تتلی جیسے کمزور ترین حشرات الارض کے مماثل قرار دیا۔ عورت اور ماحول کا یہ رشتہ صدیوں تک گم نام رہا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں اسے ''ایکو فیمینیزم'' کا نام دے دیا گیا۔ ماحولیاتی تانیثیت یا ایکو فیمنزم بھی تانیثیت کی ایک اہم شاخ کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ ''بریٹینیکا'' کے مطابق:

> "Ecofeminism, also called ecological feminism, branch of feminism that examines the connections between women and nature. Its name was coined by French feminist Françoise d’Eaubonne in 1974. Ecofeminism uses the basic feminist tenets of equality between genders, a revaluing of non-patriarchal or nonlinear structures, and a view of the world that respects organic processes, holistic connections, and the merits of intuition and collaboration. To these notions ecofeminism adds both a commitment to the environment and an awareness

of the associations made between women and nature. Specifically, this philosophy emphasizes the ways both nature and women are treated by patriarchal (or male- centred) society." (۵)

اس تحریک کا تعارف کراتے ہوئے نسترن احسن فتیحی ''ایکوفیمینیزم اور عصری تانیثی اردو افسانہ'' میں لکھتی ہیں کہ:

''ایکوفیمینیزم ادبی تنقید کی تاریخ فرانسیسی نقاد D'Eaubonne Frarnoise کی تحریروں سے شروع ہوتی ہے۔ایک عام خیال ہے کہ 1974 میں فرانسیسی نقاد D'Eaubonne Frarnoise نے ہی 'ایکوفیمینیزم' یا 'ماحولیاتی مادریت' کی اصطلاح وضع کی۔اس کی ابتدا فطرت اور عورت پر پدرسری (patriarchal) جبر کے خلاف ایک احتجاجی آواز کی صورت میں ہوئی۔ماحولیاتی مسائل درحقیقت پدرسری patriarchal جبر کی صورت میں قدرتی وسائل کی تیزی سے استحصال کے نتائج ہیں۔اور اس ماحولیاتی تباہی کی بنیادی وجہ ماحول سے ہماری غیر وابستگی ہے۔17 ویں صدی کے سائنسی انقلاب نے بھی ماحولیاتی نظام کو نہ صرف درہم برہم کر دیا بلکہ مادرارض کو ایک ایسے مشینی 'استعارہ' میں تبدیل کر دیا جو مردوں کی غلبہ میں ہے۔ گویا Ecofeminist ادب کا مرکز استحصال اور تسلط کے گرد گھومتا ہے جہاں خواتین اور فطرت دونوں ہی modernity کے جبر کے شکار نظر آتے ہیں۔Ecofeminism ایک ایسی سماجی تحریک ہے جو androcentrism اور ماحولیاتی تباہی کے درمیان روابط پر روشنی ڈالتی ہے۔''(۶)

تانیثیت کی طرح ماحولیاتی تانیثیت نے بھی بہت جلد عالمی تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ماحول اور عورت کے حقوق کے لیے کام کرنے والے ایک ہی پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور دونوں کے استحصال کے خلاف آوازیں بلند ہونے لگیں۔ان آوازوں نے مختلف پیرایوں میں اظہار پایا خاص طور سے آرٹ اور ادب میں اس کا اظہار شدت سے ہونے لگا۔اس تحریک کی مزید وضاحت کرتے ہوئے نسترن احسن فتیحی لکھتی ہیں کہ:

''Ecofeminism (ایکوفیمینیزم) ایک ایسا ادبی نظریہ ہے جو حقوق نسواں کے مختلف شعبوں مثلاً تحریک امن (peace movement) خواتین کی صحت، (Women's health care) ماحولیاتی تحریکات (Environmental Movement) جانوروں کی آزادی (Animal Liberation) جیسی تحریکوں سے نمو پذیر ہوا ہے۔ماحولیات، تحریک نسواں اور سوشلزم کی بصیرت سے ماخوذ ایکوفیمینیزم کے فلسفیانہ اساس کا ماننا ہے کہ وہ قوتیں جو نسل، طبقاتی فرق، صنفی یا جنسی فرق اور جسمانی صلاحیتوں کی بنیاد پر استحصال کرتی ہیں وہ فطرت کے استحصال

سے بھی گریز نہیں کرتیں۔ایکوفیمینیزم نسلی،طبقاتی،صنفی،جنسی اور جسمانی استحصال کی شدت سے مخالفت کرتا ہے اور تمام ظلم اور جبر کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے۔ہمارے معاشرے میں جوظلم، استحصال اور لاقانونیت قائم ہے،کمزوروں کوبطور پائدان استعمال کر کے شہرت عام وبقائے دوام حاصل کرنے والے روشن چہرے مگر اندرون چنگیز سے تاریک تر جو کردار ہیں اور خاص طور پر عورت کے ساتھ معاشرہ میں جوظلم روا رکھا جا رہا ہے یا ان کو جس انداز میں اپنی آتش ہوس بجھانے کے لیے بطور کھلونا استعمال کیا جاتا ہے،ایکوفیمینیزم کا فکری اساس اس کی مخالفت کرتا ہے۔حقوق نسواں کے خواب کی تعبیر اس وقت تک نہیں ملے گی جب تک فطرت کو استحصالی جابر قوتوں سے آزاد نہ کرالیا جائے۔''(۷)

ایکوفیمیزم کے اس نظریہ فکر سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے حامی قدرت کے ان تمام مظاہر کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں جو کمزور ہونے کی وجہ سے کسی بھی قسم کے استحصال کا شکار ہیں اور کہیں نہ کہیں اس استحصال میں مرکزی کردار مرد کا ہے اور اس کی بنیادی وجہ مرد کا طاقتور ہونا ہے۔اس سارے تناظر میں سب سے افسوسناک امر یہ ہے کہ فطرت کی دیگر اشیا کے بالمقابل عورت،مرد ہی کی طرح انسان ہونے کے باوجود ایک ''شئے'' خیال کی جاتی ہے اور اس کا ہر ہر قدم پر استحصال کیا جاتا ہے۔اسے انسان کے مرتبے سے گرا کر بعض اوقات تو اس کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ایکوفیمیزم کی اساس اسی نظریہ پر ہے کہ عورت کو عورت اور انسان کی حیثیت سے دیکھا جائے اور اس کے ساتھ انسانوں والا سلوک روا رکھا جائے۔اسے جابر قوتوں سے آزاد کرایا جائے تا کہ وہ بحیثیت انسان اپنی شناخت برقرار رکھنے کے قابل ہو سکے۔نسترن احسن فتیحی نے اپنی تحریر میں ایکوفیمیزم کے سوالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔اس ضمن میں وہ لکھتی ہیں کہ:

''ایکوفیمیزم کے سوالات لبرل فیمیزم سے مختلف ہیں کیوں کہ بنیادی طور پہ یہاں عورت کی بغاوت نہیں بلکہ کھیت اور 'کھیتوں' کی اہمیت وافادیت کو عورت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ایکوفیمیزم انسانی زندگی کی ذرخیزی اور سبزہ زاری کو نامیاتی وحدت سے متشکل کرنے کی کوشش ہے۔اس شعور کی رو کے مطابق لالچ افروز متون ثقافتی نصابوں کا حصہ بنتے رہے اور زمین اور عورت سکڑتی چلی گئیں۔سرسبز وشاداب فطری حسن کی اینکر وچمنٹ اور عورت کے استحصال کے درمیان تعلق بھی تاریخی ذہن سازی کا خاصا ہے۔یوں کہ کمزور،عورت اور نیچر کی تثلیث میں لازمیت اور ابدیت سٹیریو ٹائپ کی گئی۔ایسے مباحث سے بلا شبہ نظر اور نظریات کی تفہیم وتعبیر کے حوالے سے نئے سوالات کو جگہ ملتی ہے۔جنگ وجدل،وسائل پہ قبضہ کی خواہش اور چادر اور چار دیواری کے (پس) ساختیاتی مطالعہ سے نسلی،لسانی اور صنفی امتیازات تک کی پرکھ بھی آج کے تنقیدی شعور کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔زمین زاد اور زمین زادی دونوں فطرت کا حصہ (رہے) ہیں لیکن یک طرفہ تاریخی

دھارے نے مصنوعی مصنوعاتی ثقافت کے فروغ کے سبب ارتھلنگز میں تخفیفی رویے کاشت کیے ہیں۔اس امتیازی ڈسکورس کی غیراتفاقاتی ثقافت پہ سوالیہ نشان نئی صدی کا اہم باب ہے۔"(۸)

ماحولیاتی تانیثیت کی اقسام

۱۹۸۰میں ماحولیاتی تانیثیت کی دوشاخیں radical ecofeminism اور cultural ecofeminism وجود میں آ گئیں۔ریڈیکل ایکوفیمینیزم کے خیال میں پدرسری نظام ماحول اورعورت دونوں کوزیرکرنے کے لیے ان کوتباہ کرنے پرتُلا ہوا ہے۔دونوں کومعاشرے کے ناروااورمنفی رویوں کا سامنا ہے۔بریٹینیکا میں "ریڈیکل اورکلچرل ایکوفیمینزم" کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''Radical ecofeminists contend that the dominant patriarchal society equates nature and women in order to degrade both. To that end, radical ecofeminism builds on the assertion of early ecofeminists that one must study patriarchal domination with an eye toward ending the associations between women and nature. Of particular interest to those theorists is the ways in which both women and nature have been associated with negative or commodifiable attributes while men have been seen as capable of establishing order. That division of characteristics encourages the exploitation of women and nature for cheap laboursand resources." (۹)

"Cultural ecofeminists, on the other hand, encourage an association between women and the environment. They contend that women have a more intimate relationship with nature because of their gender roles (e.g., family nurturer and provider of food) and their biology (e.g. menstruation, pregnancy, and lactation). As a result, cultural ecofeminists believe that such associations allow women to be more sensitive to the sanctity and degradation of the environment."(۱۰)

کشور ناہید کی شاعری میں تانیثیت

عورت کے استحصال کا تعلق کسی خاص معاشرہ، کسی خاص قوم، کسی خاص عہد یا کسی خاص مذہب سے نہیں بلکہ اس عالمگیر سوچ سے ہے جو مرد کی پیدائش کے ساتھ ہی وجود میں آجاتی ہے۔ البتہ اس سوچ نے مختلف قوموں اور معاشروں میں مختلف انداز میں اظہار پایا۔ ہندوستان کے معاشرہ میں جہاں عورت کو ایک طرف دیوی کے استھان پر بٹھایا گیا تو دوسری طرف اسے اپنے شوہر کی چِتا میں زندہ ستی ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ ذات پات کے گورکھ دھندے میں الجھے ہوئے ہندوستانی معاشرے میں عورت کو ہر ذات سے نیچ خیال کیا جاتا رہا۔ اس معاشرہ کا حصہ بننے پر مسلمانوں نے بھی اسلام کی طرف سے عورت کو دیے گئے حقوق اور مقام کو فراموش کر دیا اور ہندوستانی معاشرہ میں عورت کی تذلیل میں کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ یہ وہی معاشرہ تھا جہاں عورت اپنا نام ہونے کے باوجود تمام عمر گمنام ہی رہتی اور اسے اس کے باپ، شوہر اور بعد ازاں بیٹے کے نام سے ہی پہچانا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں طویل عرصہ تک ادب کے میدان میں بھی خواتین لکھاریوں کو اپنے نام سے اپنا الگ مقام اور شناخت بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اسی ہندوستانی معاشرہ میں شاعری کے میدان میں ادا جعفری، سارا شگفتہ، پروین شاکر، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور افسانوی ادب کے میدان میں قرۃ العین حیدر، رشید جہاں، عصمت چغتائی، رضیہ فصیح احمد، ہاجرہ مسرور، خدیجہ مسرور، الطاف فاطمہ، فرخندہ لودھی، زاہدہ حنا جیسی بلند آہنگ آوازوں نے جنم لیا۔ ان میں سے شعری اور افسانوی ادب کی ایک بلند آہنگ آواز کشور ناہید کی ہے۔ انہوں نے خاص طور سے خواتین کے استحصال کے خلاف شاعری اور افسانوی ادب ہر دو میں مزاحمتی رویہ اختیار کیا۔ ڈاکٹر سیما صغیر کے نزدیک:

> ''کشور ناہید کا انداز اور زاویہ نگاہ جداگانہ ہے۔ انہوں نے خواتین کے استحصال کو اپنا اہم موضوع بنایا ہے مگر منفرد طریقے سے۔ انہوں نے عورت پر مرد کی اجارہ داری اور حکومت کرنے کی خواہش کی نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ عورت کے سماجی شعور کی نمائندگی کرتے ہوئے مشرقی عورت کے مسائل اور نفسی کیفیات کا بیان کیا ہے۔ وہ عورت کے ادھورے وجود سے خائف ہیں اور 'پوری عورت' کو دیکھنے کی خواہش مند ہیں''۔ (۱۱)

کشور ناہید نے نہ صرف شاعری میں بلکہ نثری تحریروں میں بھی فیمینیزم کے حوالے سے آواز بلند کی ہے۔ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی نے فیمینزم کے حوالے سے کشور ناہید کی کاوشوں کی نشاندہی ان الفاظ میں کی ہے:

> ''کشور ناہید کی آواز شاعری کے ساتھ تنقیدی حوالے سے بھی فیمینزم کی بہت اہم اور نمایاں آواز ہے۔ 'شناسائیاں'، 'بری عورت کی کتھا'، 'بری عورت کے خطوط'، 'عورت زبانِ خلق سے زبانِ حال تک'، عورت: خواب اور خاک کے درمیان۔۔۔ یہ سب کشور ناہید کی نثری کاوشیں ہیں۔ ان کتابوں کے عنوانات سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کشور ناہید کے فکر و فن کا موضوع عورت ہے۔'' (۱۲)

ہندوستانی معاشرہ وہ معاشرہ ہے جہاں عورت کی سب سے بڑی خوبی اس کی بے زبانی کو قرار دیا جاتا ہے۔ اسے اپنے باپ اور بھائی سے لے کر شوہر اور بیٹوں کسی کے سامنے بھی لب کشائی کی اجازت نہیں بلکہ لب کشائی کو اس کا سب سے بڑا جرم قرار دیا جاتا ہے۔ایسا جرم کہ جس کی سزا موت بھی ہو سکتی ہے۔اسے زندہ رہنے کے لیے سانس بھی لینا ہے تو گھٹن زدہ ماحول میں۔اس کے لیے صرف گھر کی چار دیواری ہی نہیں بلکہ اپنی ذات بھی ایک قید خانہ ہے اور اسے اپنی ذات کے قید خانے سے باہر نکلنے اور آزاد فضا میں سانس لینے کی اجازت نہیں۔آزاد فضاؤں میں اڑنا تو دور کی بات اس کو بغیر باپ، بھائی، شوہر اور بیٹے کے سہارے کے قدم اٹھانے کی بھی اجازت نہیں۔زندگی کی پُر خار شاہراہ پر چلنے کی ذرا سی کوشش پر بھی اس کے پاؤں، ٹانگوں سمیت کاٹ کر اسے اپاہج بنا دیا جاتا ہے۔قہقہے تو دور کی بات ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی اس کا جرم بن سکتی ہے۔یہاں تک کہ اسے اپنے دکھوں پر رونے کی بھی اجازت نہیں۔گویا کہ جینا ہی اس کا سب سے بڑا جرم ہے جس کی سزا اسے تمام عمر بھگتنا ہے۔عورت کے اس کرب کو کشور ناہید نے بہت خوبصورتی سے اپنی نظم ''میری مانو'' میں صفحۂ قرطاس پر اتارا ہے۔

میری مانو

اگر تم بات ہی کرنا چاہتی ہو
تو تمھاری سزا موت ہے
اگر تم سانس ہی لینا چاہتی ہو
تو تمہاری جگہ قید خانہ ہے
اگر تم چلنا ہی چاہتی ہو
تو پاؤں کاٹ کر ہاتھ میں لے لو
اگر تم ہنسنا ہی چاہتی ہو
تو کواڑوں کو مقفل کر کے چابی کہیں پھینک دو
اگر تم رونا ہی چاہتی ہو
تو دریا میں چھپی مٹی اپنی آنکھوں پر مَل لو
اگر تم جینا ہی چاہتی ہو
تو خوابوں کے غار پہ مکڑی کا جال بُن کے تن جاؤ
اور اگر سب کچھ بھولنا ہی چاہتی ہو
تو سوچو پہلے کونسا لفظ سیکھا تھا (۱۳)

ایکوفیمینزم میں عورتوں کے خلاف روا رکھنے والے اسی استحصالی رویے کی نہ صرف نشاندہی کی جاتی ہے بلکہ اس کے خلاف آواز بھی بلند کی جاتی ہے۔اس پدرسری نظام، اس کی سوچ اور استحصالی ذہنی رویوں کی نشاندہی کرتے

ہوئے نسترن احسن فتیحی لکھتی ہیں کہ:

''ایکوفیمینیزم کا نظریاتی فلسفہ اس وجود کی اہمیت کو قبول کرتا ہے جس کے گرد زندگی گردش کرتی ہے۔اس طرح یہ نظریہ مراعات یافتہ ظالم طبقہ اور مظلوم طبقے کے فرق کو واضح کرتا ہے۔سائنس، ٹیکنالوجی اور صنعتی انقلابات کا پروردہ مراعات یافتہ اعلیٰ یا متوسط طبقہ استحصالی قوت (Oppressor) کی شکل میں ابھرتا ہے،جبکہ جسمانی اور معاشی اعتبار سے کمزور،غیر ترقی یافتہ، مظلوم طبقہ مثلاً عورتیں،مزدور،مفلس افراد کے علاوہ ماحول اور جانور بھی اس استحصال کا شکار ہوتے ہیں۔ایکوفیمینیزم نے اس استحصالی ذہنی رویے کو patriachal یعنی پدرسری مانا ہے۔روایتی پدر سری سوچ عورت کو گھر کی چار دیواری میں مقید دیکھنا چاہتی ہے۔یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ہم ایک روایتی پدرسری سوچ والے معاشرے میں رہ رہے ہیں جس کی بنیاد ہی خواتین کے استحصال پر رکھی جاتی ہے۔'' (۱۴)

کشور ناہید کی نظم ''- = + x -''(منفی ضرب جمع برابر منفی) اپنے اندر عورت کی زندگی کے وسیع مفہوم کو سموئے ہوئے ہے۔حساب کا کلیہ یہی ہے کہ منفی کو جب بھی جمع سے ضرب دی جائے گی جواب منفی ہی آئے گا۔عورت کو پیدائش کے ساتھ ہی ''پدرسری'' معاشرہ کی طرف سے منفی نشان (الاٹ) کر دیا جاتا ہے۔وہ اپنی اس منفی ذات کو تمام عمر جمع کے ساتھ ضرب دیتی رہتی ہے لیکن اس کے سامنے نتیجہ ہمیشہ منفی ہی آتا ہے۔عورت کی ذات کی نفی کے لیے مرد مار پیٹ کو سب سے بڑے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور یہ مار پیٹ طمانچوں سے لے کر گلا دبا کر مار ڈالنے تک مختلف حربوں پر مشتمل ہوتی ہے۔اس نظم میں طنز کی گہری کاٹ ان حربوں پر مشتمل پدرسری معاشرہ کا پردہ چاک کرتی،انسانی ذہن پر ایک گہرا تاثر چھوڑتی ہے۔

- x + = -

ارے کیا ہوا
منھ پہ طمانچے کا نشان!
تنور میں روٹیاں یونہی لگتی ہیں
ارے کیا ہوا
گردن پہ گلا دبانے کا نشان!
گیس بھری بوتل کا چھرا دبانے سے ہی
بوتل کا رس تم پی سکتے ہو
ارے کیا ہوا
فقروں سے چھلنی ہو کر، ہونٹوں پہ پپڑیاں!

کمان سے تیر نکلے تو کسے خبر کہ کون نشانہ بنے گا

پیروں تلے جنت کی ہیروئن!
لولی پاپ کی قیمت بڑھ رہی ہے
اور تیری گھٹ رہی ہے (۱۵)

کشور ناہید اپنی دو نظموں ''اسیں بریاں وے لوکو!'' اور ''گنہگار عورتیں'' میں بہ بانگِ دہل اس بات کا اعتراف کرتی ہیں کہ ہم عورتیں بری بھی ہیں اور گنہگار بھی ہیں۔ان نظموں میں کشور نے صرف اعترافِ گناہ ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ایک کر کے عورتوں کی برائیاں اور گناہ بھی گنوا دیے ہیں۔ یہ برائیاں اور گناہ کیا ہیں۔'اسیں بریاں وے لوکو!'' میں کشور ناہید ایک ایک کر کے عورت کی برائیاں گنواتی ہیں اور پدرسری معاشرہ کے منھ پر طمانچے مارتی جاتی ہیں۔مرد کی غلامی کرتے ہوئے شب بھر اس کے پیر دبانا اور اس کے صلے میں اس کی مار پیٹ سہنا، کلموہی اور نصیبوں جلی کہلوانا اور ناکردہ گناہوں کی سزا پانا، باپ اور بھائی کی مرضی پر اپنی تمام تر زندگی کا چپ چاپ سودا کر لینا، تنہا غم سہتے جانا اور قدم قدم پر موت کی چاپ سنتے جانا یہی وہ برائیاں ہیں جو عورت سے تمام عمر سرزد ہوتی ہیں اور جن کی سزا سہتے سہتے وہ موت کو گلے لگا کر اپنے انجام سے دوچار ہوتی ہے۔

اسیں بریاں وے لوکو! (طویل ترین نظم)

پیر دباتے شب گزرے
گھونسے کھاتے دن بیتے
فرد، اکائی، اکلاپا
لہر، دریا، سمندر، لہر
پانی، میں اور میں
گائے دل اب یہ بیراگ
باہر بیٹھا کالا ناگ
اندر موت کا آوازہ
دل غم سازہ
کلموہی اور نصیبوں جلی
سنتے سنتے گھر میں پلی
ڈر ڈر دیکھا بدن کو

گندا سمجھا لگن کو
بن بر دیکھے بیاہی گئی
میں سوچوں میں چاہی گئی (۱۶)

اور مذکورہ بالا ''برائیوں'' کے برعکس اگر کوئی عورت او نچے شملے والے مرد کے رعب میں نہ آئے، باپ، بھائی، شوہر، بیٹے کے ہاتھ میں اپنی جان نہ بیچے، ان کے ہر فیصلے پر خاموشی سے سر نہ جھکائے اور اپنی جاں بخشی اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے ان کے آگے ہاتھ نہ جوڑے رکھے تو وہ ایک گنہگار عورت ہے۔عورتوں کے ساتھ یہ ناروا سلوک کسی ایک عورت کا مقدر نہیں بلکہ عورت خواہ کسی بھی ملک، قوم یا معاشرہ سے تعلق رکھتی ہو زبان کھولنے پر اس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے اور طرح طرح کی سزائیں دے کر اسے گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔کشور ناہید کی اس نظم میں مرد اساس معاشرے کے لیے ایک للکار بھی سنائی دیتی ہے کہ اب نہ تو ان ''گنہگار عورتوں'' کی آنکھیں بجھیں گی اور نہ ہی ظلم کی گری ہوئی دیوار دوبارہ اٹھے گی۔اپنے جسمانی و ذہنی استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے والی عورتیں ''گنہگار عورتیں'' ہی خیال کی جاتی رہیں گی۔

ہم گنہگار عورتیں

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
جو اہلِ جبہ کی تمکنت سے نہ رعب کھائیں
نہ جان بیچیں
نہ سر جھکائیں
نہ ہاتھ جوڑیں

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
کہ سچ کا پرچم اٹھا کے نکلیں
تو جھوٹ سے شاہراہیں اٹی ملے ہیں
ہر ایک دہلیز پہ سزاؤں کی داستانیں رکھی ملے ہیں
جو بول سکتی تھیں، وہ زبانیں کٹی ملے ہیں

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
کہ اب تعاقب میں رات بھی آئے
تو یہ آنکھیں نہیں بجھیں گی

کہ اب جو دیوار گر چکی ہے
اسے اٹھانے کی ضد نہ کرنا!

یہ ہم گنہگار عورتیں ہیں
جو اہلِ جبہ کی تمکنت سے نہ رعب کھائیں
نہ جان بیچیں
نہ سر جھکائیں۔ نہ ہاتھ جوڑیں (۱۷)

نظم ''انٹی کلاک وائز'' میں کشور ناہید نے ان تمام خوفوں کا بڑی بے خوفی سے تذکرہ کیا ہے جو تمام عمر ''طاقت ور مرد'' کو جکڑے رکھتے ہیں۔ گویا کہ یہ خوف مکڑے کے وہ جالے ہیں جن سے مرد کبھی نکل نہیں پاتا اور اپنے ان خوفوں پر قابو پانے کے لیے وہ ''بے زبان مخلوق'' کو روندتا ہی چلا جاتا ہے۔ 'میری آنکھیں، تمہارے تلوے بھی بن جائیں' تو بھی مرد خوف زدہ رہتا ہے' کہ میں دیکھ تو نہیں سکتی' لیکن' جسموں اور فقروں کو، خوشبو کی طرح محسوس تو کر سکتی ہوں' اور اگر عورت اپنی ناک مرد کے سامنے رگڑ رگڑ کر اسے بے نشان بھی کر دے تو یہ خوف مرد کو دامن گیر رہتا ہے' کہ میں سونگھ تو نہیں سکتی، مگر کچھ بول تو سکتی ہوں' مگر لب کشائی کرنا بھی مرد کو کیسے گوارا ہو سکتا ہے اگر عورت کے ہونٹ' خشک اور بے روح بھی ہو جائیں' تو طاقت ور مرد اس خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے' کہ میں بول تو نہیں سکتی، مگر چل تو سکتی ہوں' اس خوف سے نکلنے کے لیے مرد کیا کیا جتن کرتا ہے اور کن کن بلاؤں میں گرفتار رہتا ہے کشور ناہید نے اس کی عکاسی کمال مہارت سے کی ہے:

انٹی کلاک وائز

مرے پیروں میں زوجیت
اور شرم و حیا کی بیڑیاں ڈال کر
مجھے مفلوج کر کے بھی
تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا
کہ میں چل تو نہیں سکتی
مگر سوچ تو سکتی ہوں

آزاد رہنے، زندہ رہنے
اور مرے سوچنے کا خوف
تمہیں کن کن بلاؤں میں گرفتار کرے گا (۱۸)

کشور ناہید کی شاعری میں ماحولیاتی تانیثیت

اردو ادب میں کشور ناہید ایک ایسا طاقت ور کردار ہے جس نے ادب کے قریباً ہر میدان میں نہ صرف اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا بلکہ خواتین کے خلاف ہونے والی کسی بھی نوعیت کی زیادتی کے خلاف پر زور آواز بھی بلند کی۔ انہوں نے اپنے قلم کے نشتر سے معاشرہ کے اس ناسور کو چھیڑنے کی بھرپور سعی کی جو صدیوں سے اپنا تعفن پھیلائے ہوئے ہے۔ان کے ایک ایک لفظ میں طنز کی گہری کاٹ بھی ہے اور عورت سے ہونے والی زیادتیوں کے خلاف للکار بھی۔کشور ناہید کی شاعری میں ماحولیاتی تانیثیت کے عناصر بھی بھرپور انداز میں جلوہ گر ہوئے ہیں۔ ماحول اور عورت کے تعلق پر کشور ناہید نے بہت خوبصورت انداز میں روشنی ڈالی ہے۔اگر ہم اپنے اردگرد کے ماحول اور فطرت پر نظر ڈالیں تو بعض عناصر کمزور نظر آتے ہیں اور بعض طاقتور۔شاعری میں مرد اور عورت کی خصوصیات کی وضاحت کے لیے انہیں عام طور پر اردگرد کے ماحول خاص طور سے فطرت کے مختلف عناصر سے جوڑا جاتا ہے۔مرد کی طاقت کے بیان کے لیے ہمیشہ چٹان،سمندر اور طوفانوں کی مثال دی جاتی ہے جبکہ عورت کی کمزوری کے اظہار کے لیے تتلی، پھول اور کلی جیسی مثالیں دی جاتی ہیں۔ وسیع تناظر میں عورت کو دھرتی کے مماثل بھی قرار دیا جاتا ہے جس کا سینہ ہمیشہ زخموں سے چھلنی رہتا ہے لیکن وہ بدلے میں ہمیشہ اپنے وجود سے فائدہ پہنچانے والی ہی ہوتی ہے۔کشور ناہید کی شاعری میں بھی عورت کی مظلومی، کمزوری، بے بسی کے لیے عناصرِ فطرت کے مختلف استعارے استعمال ہوئے ہیں لیکن اپنی انفرادیت کے ساتھ۔ان کے ہاں عورت بے بس اور کمزور ضرور ہے لیکن وہ منہ زور طوفانوں اور ہواؤں سے ٹکرانے کا حوصلہ بھی لیے ہوئے ہے۔نظم ''کشور ناہید'' میں وہ اپنی ذات سے مخاطب ہو کر خود کو ایک ایسی ''منھ بند سیپی'' قرار دیتی ہیں جو ''زندگی کے سمندر میں'' کبھی تو ''ہواؤں سے باتیں کرتے'' ہوئے اور کہیں ''پہاڑوں کی بنیاد ہلاتے'' ہوئے اور طاقت ور ''لہروں کو اپنے بالوں کی طرح کاٹ کر'' کبھی ''گذشتہ کی روایتی'' اور آج کے عہد کی ''مضطرب عورت'' بن کر سوچتی ہے کیونکہ اس کا منھ تو سیپی کی طرح بند کیا جا سکتا ہے مگر اس کی سوچوں پر پہرے بٹھانا مشکل ہے۔''کشور ناہید نے عورت کی محکومیت پر پُر زور احتجاج کیا۔ان کی شاعری عورت کی مجبوری اور لاچاری کو بار بار بیان کرتی ہے۔ان کی نظروں میں عورت مکھی سے بھی حقیر اور سورج مکھی سے بھی زیادہ لاچار ہے۔وہ گھاس جیسی ہے، جسے کاٹنے والی مشین برابر تراشتی رہتی ہے'' (۱۹)

سر اٹھاتے ہی ہو گئے پامال
سبزۂ نو دمیدہ کی مانند(۲۰)

مذکورہ بالا شعر میں میر تقی میر نے اپنی پامالی،تباہی و بربادی کے لیے عناصرِ فطرت میں سے اس تازہ اگنے والے سبزے کی مثال دی ہے جسے سر اٹھاتے ہی پیروں تلے روند دیا جاتا ہے اور روندنے کا یہ عمل اس کے خاتمے یا پامالی تک جاری وساری رہتا ہے۔ ماحولیاتی تناظر میں لکھی جانے والی کشور ناہید کی نظم ''گھاس تو مجھ جیسی ہے'' ایسا ہی نوحہ

اپنے لیے اندر لیے ہوئے ہے لیکن یہاں یہ معاملہ محض گھاس کی پامالی تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ ''گھاس'' کا کینوس وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں عورت کو اس گھاس کی صورت پیش کیا گیا ہے جو کہ تمام عمر اپنے باپ، بھائیوں اور پھر شوہر اور بیٹوں کے قدموں میں بچھی رہتی ہے۔ مرد پیروں تلے بچھی اس ''گھاس'' کو روندنے اور پامال کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کو ہموار کرنے کے لیے اس کے اٹھتے سر کو کاٹنے میں بھی سرگرمِ عمل رہتا ہے۔ اس نظم کے آخری مصرعے میں کشور ناہید فطرت کے اس ابدی اصول کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ مرد کی تمام تر کوششوں کے باوجود ''زمین'' ہو یا کہ ''عورت'' ان کی نمو کی خواہش مرنے نہیں پاتی کیونکہ اسی میں انسانیت کی بقا مضمر ہے۔

گھاس تو مجھ جیسی ہے
گھاس بھی مجھ جیسی ہے
پاؤں تلے بچھ کر ہی، زندگی کی مراد پاتی ہے
مگر یہ بھیگ کر کس بات کی گواہی بنتی ہے
شرمساری کی آنچ کی
کہ جذبے کی حدت کی

گھاس بھی مجھ جیسی ہے
ذرا سر اٹھانے کے قابل ہو
تو کاٹنے والی مشین
اسے مخمل بنانے کا سودا لیے
ہموار کرتی رہتی ہے

عورت کو بھی ہموار کرنے کے لیے
تم کیسے کیسے جتن کرتے ہو
نہ زمیں کی نمو کی خواہش مرتی ہے
نہ عورت کی (۲۱)

کشور ناہید کی نظمیں ''نیلام گھر''، ''تیرا الٹیا شہر بھنبھور''، ''نظم''، ''روایت نہ ٹوٹے''، ''زہر کا ڈنک''، ''عمر کے لمبے سائے'' اور ''قید میں رقص'' اسی نوعیت کی نظمیں ہیں جن میں کشور ناہید نے عورت کی مظلومیت اور بے بسی کو ماحولیات کے تناظر میں مختلف سطحوں پر ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ماحولیاتی عناصر کے پسِ پردہ عورت کی فطرت میں پوشیدہ اسرار سے یوں پردہ اٹھاتی ہیں کہ دونوں کی مظلومیت کی ایک بھرپور تصویر نظروں کے سامنے ابھرنے لگتی

ہے۔ان کی نظموں میں احتجاج کے ساتھ ساتھ باغیانہ رویہ اور جارحانہ لہجہ بھی ملتا ہے۔ یہ باغیانہ رویہ اور جارحانہ لہجہ مرد سماج کی دین ہے۔ان کی نظمیں ایک ایسے کرب میں رچی بسی ہیں جس کا اندازہ ایک بے بس اور کمزور عورت ہی کر سکتی ہے۔نظم ''نیلام گھر'' میں عورت پر ہاتھ اٹھانے اور مار پیٹ کا حق رکھنے والوں کو طنز کے طمانچے مارتی ہیں۔وہ مرد جو ذرا ذرا سی بات پر اپنی شریکِ حیات پر ہاتھ اٹھاتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ اسے یہ حق ''مہر'' کے عوض حاصل ہو چکا ہے۔

نیلام گھر

میرے منھ پر صدرنگ غبارے چھوڑ جاتے ہیں

تم حق والے لوگ ہو

تم نے مہر کے عوض حق کی بولی جیتی ہے　(۲۲)

تتلی، چڑیا، مکڑی ہمیشہ سے کمزوری اور بے بسی کی علامت رہی ہیں۔کشور ناہید کے ہاں ماحولیاتی تانیثیت کی مختلف جہتیں ملتی ہیں۔انہوں نے پدر سری معاشرہ کے مظلوم طبقہ یعنی عورت کا صرف مشاہدہ ہی نہیں کیا بلکہ وہ ذاتی طور پر اس تجربے سے دوچار ہوئی ہیں۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا کی ہر عورت کو زندگی کے کسی نہ کسی مقام اور کسی نہ کسی حیثیت میں منھ زور پدر سری معاشرہ کی طرف سے زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دنیا کی بیشتر عورتیں منھ میں زبان رکھنے کے باوجود بے زبانی کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہیں کیونکہ معاشرہ ان کی قوت گویائی سلب کرنے کے درپہ ہوتا ہے۔اس کے لیے کبھی تو اڑنے سے پہلے ہی اس کے پر نوچ لیے جاتے ہیں اور اسے ''تتلی کی طرح مرتبان میں بند'' کر دیا جاتا ہے اور اس پر بھی اگر عورت کی آواز بلند ہونے کا اندیشہ ہو تو اس ''چڑیا کے پر دبوچ'' کر اس کی جان تک لینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔اسے زبان کھولنے کی اجازت صرف اس صورت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ''پنجرے میں بند طوطے'' کی طرح صرف رٹے ہوئے جملے ہی دہراتی رہے۔کشور ناہید کی ایسی نظمیں معنی خیز بیانیہ لیے ہوئے ہیں۔طویل نظم ''تیرا الٹیا شہر بھنبھور'' میں وہ خود کو ''مرتبان میں بند تتلی کی طرح'' قرار دیتی ہیں۔

تیرا الٹیا شہر بھنبھور

مرتبان میں بند

تتلی کی طرح،

صحرا میں گھومتے

اکیلے چیتے کی طرح،

مگر نیند نہیں آتی ہے　(۲۳)

اسی طرح چڑیا کو پروں سے دبوچنا ایک عام اور سرسری واقعہ سہی لیکن کشور ناہید کی ''نظم'' چڑیا کے روپ میں

ایک مظلوم عورت کا نوحہ لیے ہوئے ہے۔جس کا جان سے گزر جانا کوئی بڑی بات نہیں۔

نظم

اس نے چڑیا کو پروں سے دبوچا
چڑیا ہاتھ سے پھسل گئی
آنگن خون سے تر بتر تھا
نائن آنگن دھو رہی تھی　(۲۴)

کشور ناہید کی نظمیں محض عورت کی بے بسی اور مظلومیت کا نوحہ ہی نہیں بلکہ ایک ایسا آئینہ بھی ہیں جس میں بے حس پدر سری نظام بے نقاب ہوتا نظر آتا ہے۔ان کی نظموں کے آخری مصرعے خاص طور سے طنز کی گہری کاٹ لیے ہوئے ہیں۔ان کی نظمیں ''زہر کا ڈنک''، ''عمر کے لمبے سائے''اسی نوعیت کی نظمیں ہیں۔ایک طرف تو عورت کی حیثیت ''کتابوں میں مری ہوئی مکڑیوں کی طرح'' ہے اور دوسری طرف پنجرے میں بند اس طوطے کی طرح ہے جو ''لوگوں کی واہ واہ پہ سکھائے ہوئے فقرے دہرا کر'' سکون پاتی ہے۔

زہر کا ڈنک

کتابوں میں مری ہوئی مکڑیوں کی طرح
تم میری ذات کو اٹھا کر باہر کیسے پھینکو گے
کہ ہزیمت کے جالے تمہاری آنکھوں پہ تنے ہوئے ہیں　(۲۵)

عمر کے لمبے سائے

عمر کے گلابی لمحوں میں
اندھیروں پہ الزام دھر کر بری الذمہ ہونے میں کتنا مزہ آتا تھا
طوطے کی طرح پنجرے میں بند رہ کر
لوگوں کی واہ واہ پہ سکھائے ہوئے فقرے دہرا کر
کتنا سکون ملتا تھا　(۲۶)

کشور ناہید کی نظم ''قید میں رقص'' عورت کی بے بسی، حسرت نا کی، مجبوری و لاچاری کا نوحہ ہے۔کشور ناہید کے نزدیک سب کے لیے ناپسندیدہ مکھی کو بھی ایک عورت سے زیادہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کھلی فضاؤں میں اڑتی ہے اور آزاد فضاؤں میں یہ پرواز، روایتی قید کی اسیر عورت کے لیے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔عورت دن بھر گھر کی صفائی ستھرائی کے دوران مٹی میں اٹی رہتی ہے، وہ دھوپ اور چولہے کی آگ میں سلگتی ہے، رات بھر مرد کی

خواہشوں کی مشقت اٹھاتی ہے جس کے نتیجے میں مرد،عورت کو ایک مکھی جتنی آزادی دینے کا بھی روادار نہیں ہو پاتا کیونکہ اس نے صدیوں سے رائج پدرسری نظام کی آغوش میں آنکھیں کھول کر عورت کو مکھی کی مانند صرف بوتل میں قید کرنا ہی سیکھا ہے اسے آزادی دینا نہیں۔

قید میں رقص

سب کے لیے ناپسندیدہ اڑتی مکھی
کتنی آزادی سے میرے منھ اور میرے ہاتھوں پر بیٹھتی ہے
اور اس روزمرہ سے آزاد ہے جس میں میں قید ہوں
میں تو صبح کو گھر بھر کی خاک سمیٹتی جاتی ہوں
اور میرا چہرہ خاک پہنتا جاتا ہے
دوپہر کو دھوپ اور چولہے کی آگ

یہ دونوں مل کر وار کرتی ہیں
گردن پہ چھری اور انگارہ آنکھیں
یہ میرا شام کا روزمرہ ہے
رات بھر شوہر کی خواہشوں کی مشقت
میری نیند ہے

مگر مجھے مکھی جتنی آزادی بھی تم کہاں دے سکو گے
تم نے تو عورت کو مکھی بنا کر بوتل میں بند کرنا سیکھا ہے(۲۷)

کشور ناہید کی ان نظموں کا مطالعہ کریں تو وہ معاشرے کی نباض بھی معلوم ہوتی ہیں اور صدیوں سے رِستے ناسور کو طنز کے نشتروں سے چھیدتی بھی نظر آتی ہیں۔وہ ماہرِ نفسیات کی طرح طاقتور مرد اور کمزور عورت کے معاملات و مسائل بیان تو کرتی ہیں لیکن نہ تو ان کے ہاں بغاوت ملتی ہے اور نہ ہی جارحیت۔وہ عورت کو سماج میں اس مقام پر دیکھنے کی خواہش مند ہیں جو بحثیت انسان اس کو قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ ہے۔وہ عورت کی محکومی اور محرومی کے خلاف آواز بلند کرتی ہیں۔انہوں نے عورت کے جن مسائل کی نشاندہی کی ہے ان میں سے بیشتر کا تعلق عورت کی

خانگی زندگی سے ہے ایک ایسی زندگی جو خارزار تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ گھٹی گھٹی اور تعفن زدہ بھی ہے۔ جہاں مار پیٹ ہے، جبر ہے استحصالی رویے ہیں۔حیات اور موت کے مابین ہر لحہ ایک کشمکش ہے کہ عورت زندہ ہوتے ہوئے بھی زندہ درگور ہے۔وہ زندگی کے مقابلے میں موت سے زیادہ قریب ہے۔وہ ایک ایسی قید میں ہے کہ جہاں سے باہر آزادی سے اڑنے والی حقیر اور ناچیز ''مکھی'' بھی اس کے لیے قابلِ رشک ہے۔گھر کے اندر اور گھر کے باہر وہ متضاد سماجی رویوں اور دباؤ کا شکار ہے۔کشور ناہید ان سماجی رویوں اور جبر پر طنز تو کرتی ہیں لیکن عورت کو ان حالات سے نکالنے کے لیے ان کے پاس بھی کوئی لائحہ عمل ہے نہ کوئی راستہ لیکن ان کی تحریروں میں تانیثی ادب کا ایک منظر نامہ ضرور دیکھا جا سکتا ہے۔

حواشی:

۱۔ Brunell, Elinor Burkett Laura. https://www.britannica.com/topic/feminism. n.d.10 October 2018<https://www.britannica.com

۲۔ خواجہ الطاف حسین حالی، چپ کی داد (پانی پت: حالی بک ڈپو، ۱۹۳۷)، ص ۲۔

۳۔ ایضاً، ص ۱۱-۱۲۔

۴۔ ڈاکٹر سیما صغیر، تانیثیت اور اردو ادب روایت مسائل اور امکانات (نئی دہلی: براؤن بک پبلیکیشنز، ۲۰۱۸)، ص ۲۸۔

۵۔ Miles,Kathryn.https://www.britannica.com/topic/ecofeminism.n.d. 15 October2018<https://www.britannica.com

۶۔ نسترن احسن فتیحی، ایکوفیمینیزم اورعصری تانیثی اردوافسانہ (دہلی: عفیف پرنٹرس، ۲۰۱۶)، ص ۴۵-۴۶

۷۔ ایضاً، ص ۱۷-۱۸۔

۸۔ ایضاً، ص ۱۲۔

۹۔ 15 October 2018 https://www.britannica.com/topic/ecofeminism.n.d

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ڈاکٹر سیما صغیر، تانیثیت اور اردو ادب روایت مسائل اور امکانات، ص ۳۴۔

۱۲۔ ڈاکٹر عظمیٰ فرمان فاروقی، اردو ادب میں نسائی تنقید: روایت، مسائل و مباحث (کراچی: سعید پبلی کیشنز، ۲۰۱۰)، ص ۹۸۔

۱۳۔ کشور ناہید، دشتِ قیس میں لیلیٰ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۱)، ص ۴۸۵-۴۸۶۔

۱۴۔ نسترن احسن فتیحی ،ایکوفیمینیزم اورعصری تانیثی اردوافسان،ص ۱۸۔

۱۵۔ کشورناہید،دشتِ قیس میں لیلیٰ،ص ۴۸۷-۴۸۸۔

۱۶۔ ایضاً،ص ۱۰۷۔

۱۷۔ ایضاً،ص ۹۷۲-۹۷۳۔

۱۸۔ ایضاً،ص ۸۳۰-۸۳۱

۱۹۔ ڈاکٹرشہناز نبی،تانیثی تنقید(کلکتہ:کلکتہ یونیورسٹی،۲۰۰۹)،ص ۵۲۔

۲۰۔ میر تقی میر،انتخاب کلیات میر،مرتبہ مولوی عبدالحق (نئی دہلی:الحسنات،۲۰۰۸)،ص ۴۲۔

۲۱۔ کشورناہید،دشتِ قیس میں لیلیٰ،ص ۴۷۱-۴۷۲۔

۲۲۔ ایضاً،ص ۴۷۴۔

۲۳۔ ایضاً،ص ۴۷۶۔

۲۴۔ ایضاً،ص ۴۹۹۔

۲۵۔ ایضاً،ص ۲۲۷۔

۲۶۔ ایضاً،ص ۹۰۲۔

۲۷۔ ایضاً،ص ۱۰۷۲-۱۰۷۳۔

مآخذ

الطاف حسین حالی،خواجہ۔چپ کی داد ۔پانی پت: حالی بک ڈپو،۱۹۳۷۔

سیما صغیر،ڈاکٹر۔تانیثیت اور اردو ادب: روایت، مسائل اور امکانات۔ نئی دہلی:براؤن بک پبلی کیشنز،۲۰۱۸۔

شہناز نبی،ڈاکٹر۔ تانیثی تنقید۔کلکتہ:کلکتہ یونیورسٹی،۲۰۰۹۔

عظمیٰ فرمان فاروقی،ڈاکٹر۔اردو ادب میں نسائی تنقید :روایت، مسائل و مباحث ۔کراچی:سعید پبلی کیشنز،۲۰۱۰۔

کشورناہید۔دشتِ قیس میں لیلیٰ۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۱۔

میر تقی میر۔انتخاب کلیات میر،مرتبہ مولوی عبدالحق۔نئی دہلی:الحسنات،۲۰۰۸۔

نسترن احسن فتیحی۔ایکوفیمینیزم اورعصری تانیثی اردوافسانہ۔دہلی:عفیف پرنٹرس،۲۰۱۶۔

https://www.britannica.com/topic/ecofeminism.n.d 15 October 2018

Brunell, Elinor Burkett Laura. https://www.britannica.com/topic/feminism. n.d.10 October 2018<https://www.britannica.com

Miles,Kathryn.https://www.britannica.com/topic/ecofeminism.n.d. 15